1- مولانا محمد الیاسؒ کی دعوتی و تبلیغی فکر

برعظیم پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں تبلیغی تحریک سے وابستہ افراد کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے اور اس کے متعلقین دنیا کے کئی ایک ممالک میں موجود ہیں واقعہ یہ ہے کہ اس جیسی تحریک کی مثال دنیا میں اس وقت کہیں نہیں ملتی دن بدن اس میں پھیلاؤ مشاہدہ کی بات ہے اکثر و بیشتر حلقوں میں اس فروغ اور وسعت کو بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے اخلاص اور امت کے لیے ان کے سوز دروں کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔

اس تبلیغ تحریک کی بدولت بیشمار افراد کے کلمے درست ہوئے نمازیں استوار ہوئیں اور دین سے تعلق پیدا ہوا، اس کے ساتھ ہی اس سے تحریک سے بعض وابستگان اور داعیان کے بیانات سے جو تاثر قائم ہوتا ہے اس سے دین کے دیگر پہلوؤں کی کم وقعتی کا احساس ہوتا ہے بسا اوقات تبلیغ کے اس مخصوص طریق کار کو حاصل دین قرار دینے کی سوچ بھی سامنے آتی ہے۔

لہذا ضروری ہے کہ اس تحریک کے بانی کے حالات و افکار کا مطالعہ کیا جائے کہ ان کے ہاں دین کا تصور کیا ہے اور ان کی زندگی کے ان پہلوؤں پر غور کیا جائے جن سے مولانا محمد الیاسؒ کی سوچ کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولاناؒ کی فکر اپنے والدین اور گھریلو ماحول سے متاثر ہونے کے علاوہ اس کو اپنے اکابر اور اساتذہ سے بھی جلا ملی ہے اس لیے ان کی سوچ کے زاویے اپنے اساتذہ اور مشائخ کی صحبت میں ہی درست ہوئے اور جو ان کے اکابرین کی فکر تھی وہی ان کی شعوری اساس تھی تاہم اس اساس پر تعمیری منصوبہ بندی میں ان کی ذاتی کاوشوں کو عمل دخل حاصل ہے۔

جب مولانا کی زندگی کا اس حوالہ سے مطالعہ کیا جائے اور ان کو اپنے بیان کردہ خیالات کے آئینہ میں دیکھا جائے تو وہاں تعلق باللہ، عبادت، ذکر، علم کی اہمیت کے علاوہ جہاد و سیاست انسانی حقوق کی پاسداری وغیرہ یعنی دین کا مکمل تصور نظر آتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کی تحریک بجائے خود مستقل نہیں بلکہ ولی اللہی سلسلہ کے اہل حق کی جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔

حضرت مولانا نے 1303ء میں جب آنکھ کھولی (1) تو اپنے اردگرد تعلق باللہ کے بنیاد امر کے علاوہ خدمت خلق کا ماحول دیکھا چنانچہ ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں۔

مولانا محمد الیاسؒ کے والد مولانا محمد اسماعیل صاحب کے لیے ذکر و عبادت آئے گئے مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید و دین کی تعلیم شب و روز کا مشغلہ تھا، خدمت و تواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے پیاسے ادھر آنکلتے تھے ان کا بوجھ اتار کر رکھ دیتے اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر ان کو پانی پلاتے پھر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی

خدمت کی توفیق دی میں اس قابل نہ تھا عام اجتماع و ہجوم کے زمانے میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے اور رضائے الٰہی اور قربت خداوند کا ذریعہ سمجھ کر خلق خدا کی راحت رسانی اور خدمت میں مشغول رہتے۔(۴) مولانا محمد اسماعیلؒ کی وفات 1315ھ میں ہوئی۔

گویا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو اپنی عمر کے ابتدائی بارہ تیرہ برس اپنے والد کے معمولات دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ عمر کا وہ حصہ ہے جس میں جو چیز ذہن پر نقش ہو جائے اس کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں وہ اس عمر میں اپنے والد محترم کو ذکر عبادت اور دین کی تعلیم کے علاوہ انسانوں بالخصوص مسافروں اور مزدوروں کی خدمت میں مشغول دیکھتے رہے لامحالہ ان کے ذہن میں دین کی عمارت خدا پرستی اور انسان دوستی کی بنیادوں پر قائم ہوئی۔

بعد ازاں جب زندگی کے اس دور کا آغاز ہوا جس میں انسان کی سوچ کے خطوط متعین ہوتے ہیں تو آپ کنگوہ آ گئے جہاں آپ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی صحبت میں دس سال رہنے کا موقع ملا حضرت گنگوہیؒ کی اپنی زندگی جہاں ایک طرف عبادت و ریاضت اور عشق الٰہی سے عبارت تھی وہاں اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جہد مسلسل کا دوسرا نام تھی۔ چنانچہ 1857ء کی جنگ آزادی کے موقع پر جب علمائے حق نے شاملی کے میدان میں انگریز کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو حضرت گنگوہیؒ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی قیادت میں وزیر لام بندی کی حیثیت سے شریک تھے۔(۴)

اس کے علاوہ سیاست کے میدان میں حضرت گنگوہیؒ کا نقطہ نظر بہت ترقی پسندانہ تھا ان کا فتویٰ تھا کہ دنیاوی معاملات میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو نقصان پہنچائے بغیر غیر مسلموں سے تعاون جائز ہے۔ 1885ء میں جب انڈین نیشنل کانگرس وجود میں آئی تو آپ نے اس میں مسلمانوں کی شمولیت کی بات کی تھی۔(۵)

اس امر کی بظاہر کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ حضرت گنگوہیؒ کی صحبت میں شعور کی حالت میں دس سال رہنے والا فرد ان کے افکار سے متاثر نہ ہوا ہو حالانکہ محمد الیاسؒ کو حضرت گنگوہیؒ سے گہرا لگاؤ بھی تھا چنانچہ ان کا قول ہے کہ ہم تو ساری عمر کا رون اس رونا رو لیے تھا جس روز حضرتؒ دنیا سے رخصت ہوئے۔(۶)

گنگوہ میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے قیام کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں، مولانا حصول علم کے لیے والد صاحب کی اجازت سے اپنے منجھلے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب کے ہمراہ 1314ھ یا 1315ھ میں گنگوہ آ گئے اور بھائی صاحب سے پڑھنا شروع کر دیا۔

گنگوہ اس وقت صلحاء فضلاء کا مرکز تھا ان کی اور خود مولانا رشید احمد صاحبؒ کی صحبت اور مجالس کی دولت مولانا محمد الیاسؒ کو شب و روز حاصل تھی، دینی جذبات کی پرورش نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، مولانا کی دینی اور روحانی زندگی میں اس کی ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا انسان کی زندگی میں مقام ماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہو سکتا ہے، مولانا محمد الیاسؒ صاحب کا وہ زمانہ گنگوہ میں گزرا جب گنگوہ آئے تو دس گیارہ برس

کے بچے تھے جب 1323ء میں مولانا گنگوہیؒ نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے گویا دس سال کا عرصہ مولانا کی صحبت میں گذرا۔

مولانا محمد یحییٰ کامل استاد اور مربی تھے وہ اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ ہونہار بھائی ان صحبتوں اور مجلسوں کے فیوض سے پورے طور پر مستفید ہو مولانا محمد الیاسؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت گنگوہیؒ کے خاص فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء گنگوہ آئے تو بعض اوقات بھائی درس بند کر دیتے اور کہتے اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرت کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو۔(۷)

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے جو خصوصی تربیت یافتہ حضرت گنگوہ آتے تھے ان میں آ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری (۱۳۱۱ء) بھی شامل تھے جو بعد میں اس تحریک جہاد کے قائد بنے جس کا مقصد انگریز کو ہند بدر کرنا تھا۔(۸)

حضرت گنگوہیؒ کے رحلت کے بعد مولانا محمد الیاسؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (1339ھ) کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔(۹)

جہاں آپ نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اپنے استاد کے سیاسی جذبات سے بھی گہرا تاثر قبول کیا، یہی سبب ہے کہ حضرت مولانا شیخ الہندؒ سے بیعت سلوک کے علاوہ بیعت جہاد کے بھی طالب ہوئے، حضرت شیخ الہند نے بیعت سلوک کے لیے تو حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوری سے رجوع کا مشورہ دیا۔(۱۰)

لیکن بیعت جہاد کے لیے ان کی درخواست قبول کر لی۔(۱۱)

حضرت شیخ الہندؒ کا جہاد سامراج کے خلاف تھا اس وقت آزادی سے محبت اور انگریز سے نفرت کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مالٹا کی جیل سے رہائی کے بعد ترک موالات (یعنی انگریز کے سوشل بائکاٹ) کا استفتاء آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اپنے تین شاگردوں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا سید حسین احمد اور مولانا شبیر احمد عثمانی کو جمع کر کے فرمایا کہ یہ فتویٰ آپ لوگ لکھیں ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی موجودگی میں ہم کیا لکھیں گے فرمایا کہ مجھ میں انگریز سے نفرت کا جذبہ شدت لیے ہوئے ہے مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہ حدود کی رعایت ہو سکے گے اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے،

کسی قوم کی عداوات تمہیں عدل سے نہ ہٹائے۔ اس لیے آپ لوگ ہی لکھیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کرنے سے مولانا محمد الیاسؒ کی اس قلبی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جس سے وہ اس وقت گذر رہے تھے ملک کی غلامی اور مسلمانوں کی بربادی نے انہیں انگریز کے خلاف اقدام کرنے پر جس طرح آمادہ کیا اس سے تاثر کی نفی ہو جاتی ہے کہ وہ محض چند دینی باتوں کے مبلغ تھے بلکہ اس بیعت سے ان کی زندگی کے حقیقی مشن کو متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے کہ ان کی سوچ کسی طرح اپنا اکابرین سے مختلف نہیں تھی۔(۱۲)

یہ الگ بات ہے کہ اس کو عمل میں لانے کے لیے ان کا طریقہ کار اپنا تجویز کردہ تھا لیکن طریق کار کی تبدیلی سے مقاصد متاثر

نہیں ہوا کرتے بلکہ ہر باشعور فرد کی ذمہ داری ہوتی کہ وہ مقاصد کو پایا تکمیل تک پہنچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ موثر طریقہ دریافت کرے۔

مولانا محمد الیاسؒ کو اپنے اکابر سے جو قلبی تعلق تھا اس کی موجودگی میں ان کی تحریک کو مستقل تحریک خیال کرنا محض ایک خانہ ساز تصور ہے چنانچہ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ''مولانا محمود حسن'' (شیخ الہند) اور مولانا اشرف علی تھانویؒ میرے جسم و جان میں بسے ہوئے تھے اور اکابرین کو بھی مولانا کی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے خصوصی محبت اور لحاظ تھا ایک مرتبہ کاندھلہ میں شاہ عبدالرحیم پوری مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی موجود تھے، نماز کا وقت آیا تو امامت کے لیے آپ کو کہا گیا اس پر خاندان کے ایک بزرگ مولوی بدرالحسن نے ازراہ ظرافت کہا کہ اتنی بڑی بڑی گاڑیاں اور ایسا ہلکا پھلکا انجن جوڑ دیا ہے حضرت میں سے کسی نے کہا کہ یہ تو انجن کی طاقت پر ہے۔ (۱۳)

الغرض مولانا محمد الیاسؒ کی سوچ مکمل طور پر اپنے اکابر اساتذہ مشائخ سے ہم آہنگ تھی، ان کی تحریک کا مطالعہ اسی پس منظر میں کیا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ خود اپنا اختیار کردہ تبلیغی طریقہ کار کو اساس و بنیاد کی بجائے تمہید کی حیثیت دیتے ہیں وہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

''دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب (دینی امور) کے لیے تبلیغ (صحیح اصول کے ساتھ ملک ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا) بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات پرورش کرنے کے ہیں۔'' (۱۴)

اس مکتوب کی موجودگی میں بالخصوص تمہیدی امور کو اساسی مقام دے دینا اور درحقیقت بانی تحریک کی فکر سے انحراف ہے اور جو ایسا کر رہے ہیں ان کے اپنے مخصوص مقاصد تو ہو سکتے ہیں لیکن اس سے حضرت مولاناؒ کا کوئی تعلق نہیں بنتا، یہی وجہ کہ آپ نے دین کی مکمل تعبیر کے لیے شریعت، طریقت اور سیاست کو بنیادی اجزاء قرار دیا ہے، اور تبلیغی کام کو ان کے حصول کا ذریعہ (۱۵)

عام طور پر دین کے دو اجزاء ہی بتائے جاتے ہیں شریعت و طریقت کہ ایک تعلق انسان کے ظاہری اعمال سے ہے اور دوسرے کا تعلق انسان کے باطنی افعال سے ہے لیکن مولانا محمد الیاسؒ نے شریعت ہی کے ایک حصے سیاست کو علیحدہ ذکر کر کے اس کی بنیادی اہمیت کو اجاگر کیا ہے گویا ان کے ہاں سیاست کی اہمیت۔ سیاسی عمل کی ضرورت ان کے اس قول سے بھی ظاہر ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی کی برکت سے انگریزوں کا مقابلہ کرنا ہے اور یہ کام بھی نہیں چھوڑنا ہے۔ (۱۶)

بلکہ وہ اپنے تبلیغی کام کو سیاسی کام کرنے والوں کے لیے ستر اور آڑ قرار دیتے ہیں۔ (۱۷)

مولانا محمد الیاسؒ کے ان خیالات سے ان کی فکری پس منظر کو صحیح طور پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے ایسے میں ان کے کام کو سیاست سے متضاد دست رکھنے والا کام قرار دینا کسی طرح قرین انصاف نہیں بلکہ ایک حوالہ سے ان پر تہمت ہے تاہم اس سے انکار نہیں کہ ان

کے ہاں ایک فطری ترتیب ضرور پائی جاتی ہے اور اس ترتیب کا لحاظ رکھے بغیر سیاسی عمل کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ کسی بھی اقدام کے لیے تیار ہونا از حد ضروری ہے۔

اس لیے حضرت مولاناؒ کا یہ نظریہ تھا کہ ایک عرصہ تک صبر وضبط کے ساتھ دعوت کے اصول پر کام کرنے کی ضرورت ہے جس سے مسلمانوں میں نظم وضبط کی قابلیت اطاعت، ڈسپلن کا مزاج، خواہشات نفس اور ذاتی اغراض ومفادات کے برعکس کسی اصولی موقف پر استقامت کی قوت پیدا ہوگی۔ اس کے بعد ہی عملی سیاست صحیح بنیادوں پر استوار ہو سکے گی اگر دعوت کے مرحلہ میں غیر مناسب عجلت یا تیز رفتاری سے کام لیا گیا تو سیاست اسی قدر ناپائیدار ہوگی چنانچہ موجودہ اختلاف انتشار اور خرابیوں کا سبب یہی کہ دعوت سے پہلے عملی سیاست شروع کر دی گئی ہے۔ (۱۸)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ بندہ ناچیز کے دماغ میں کچھ ایسے ایسے خیالات ہیں کہ قبل از وقت ہونے کی بناء پر زبان سے نکالنے کو جی نہیں چاہتا اور اس کی وجہ تھی کہ انہوں نے جس کام کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا اور جس کی دعوت دی تھی وہ ان کے ماحول سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی تھا وہ اس زمانہ اور گردوپیش کی سطح سے بہت بلند تھا اس لیے بلند عزائم اور اپنے دلی حوصلوں کا اظہار بہت کم کرتے تھے پھر بھی کبھی ترشح ہو جاتا۔ (۱۹)

چنانچہ ایک مرتبہ مولانا ظہر الحسن سے فرمایا ظہیر الحسن میرا مدعا کوئی نہیں پاتا لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے میں قسم سے کہتا ہوں کہ یہ تحریک صلوٰۃ نہیں۔ (۲۰)

غرضیکہ مولانا محمد الیاسؒ کی سوچ محض چند عبادات کی تلقین وتبلیغ تک محدود نہیں تھی، بلکہ آپ مکمل دین کا احیاء چاہتے تھے اور اسی مشن کے لیے آپ ایک جماعت سے تیار کرنے کے لیے سرگرم عمل رہے اس سلسلے میں آپ کے سامنے ابتداء ہی سے صحابہ کرام کا اسوہ اور ان کی جدوجہد رہی۔

حضرت مولاناؒ کی نانی اماں بی امتہ الرحمان (۲۱) فرمایا کرتی تھیں اختر (۲۲) مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے کبھی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر فرماتیں کہ کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب میں مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ یاد آجاتے ہیں۔ (۲۳)

صحابہ کرام کی زندگی کیا تھی اس پر تاریخ کی کتابیں شاہد ہیں کہ ایک طرف عبادت الٰہی اور خدا پرستی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا تو دوسری جانب انسانیت دوستی ان کا مشن تھا۔ حضرت مولاناؒ اسی جامع زندگی کا احیاء چاہتے تھے جس میں عبادت خداوندی کے ساتھ خدمت خلق کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہو چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

''بیوی بچوں کے حقوق، والدین کے حقوق، پڑوسی کے حقوق، تمام مسلمانوں کے حقوق انسانوں کے حقوق، پرندے اور اللہ

کی ساری مخلوق کے حقوق و جمادت و نباتات کے حقوق ہیں ان سب کی ادائیگی ترتیب وار ضروری ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں اللہ کے حکم ہیں، اللہ اپنے حقوق کی کمی تو معاف فرمادیں گے لیکن حقوق العباد کو معاف نہیں کریں گے اس لیے حقوق العباد کی ادائیگی میں نہایت احتیاط اور ہوشیار سے کام لینا چاہیے۔" (۲۴)

مزید فرماتے ہیں کہ خدمت خلق کے ذریعہ خدا کا راستہ ملتا ہے، اس نے اپنا راستہ اپنی مخلوق کی خدمت کے ذریعہ ہی رکھا ہے۔ (۲۵)

یہ اللہ کا تحفہ ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جب کہ عبادات تو صرف اپنے نفس کے فائدے کے لیے ہیں۔ (۲۶)

کس قدر واضح اور غیر مبہم انداز میں مولانا نے انسانیت دوستی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ رویہ کسی طرح بھی معاشرتی ذمہ داریوں سے گریز اور فرار کی اہمیت رکھنے والوں سے مطابقت نہیں رکھتا جن کے ہاں انسان اور انسانی حقوق چنداں اہمیت نہیں رکھتے اور جن کی تمام تر دینداری چند رسوم کی ادائیگی اور بے روح عبادات کے اردگرد گھومتی ہے اور اسی معیار پر وہ دیگر انسانوں کو پرکھتے ہیں جب کہ مولانا محمد الیاسؒ کے ہاں تصوف و سلوک کی اہم ترین بنیاد بھی خدمت خلق ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ دل آئینہ ہے اس میں خدا نظر آتا ہے لیکن اس آئینہ کو صاف کرتے رہنا چاہیے، یعنی صفات رزیلہ سے پاک کرنا چاہیے صفات محمودہ اپنی عادت بنانی چاہیے اور صفات رذیلہ دور کرنے کے لیے خدمت خلق ہے (۲۶)

اسی نوعیت کا ان کا ایک اور زریں مقولہ ہے، اللہ کی رحمت آتی ہے عبد بننے میں، عبد بننا آتا ہے خدمت خلق کرنے سے۔ (۲۷)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ فرماتے ہیں:

"شبہ یہ ہے کہ اخلاق (انسان دوستی) بڑا ہے یا ارکان (نماز روزہ وغیرہ) جڑ کے اعتبار سے ارکان بڑے ہیں اور نتیجہ کے اعتبار سے اخلاق بڑا ہے حقوق اللہ معاف ہو جائیں گے مگر حقوق العباد کو اللہ معاف نہیں کرے گا اس معنی میں اخلاق بڑی چیز ہے۔ (۲۸)

ایک اور موقع پر فرمایا، اخلاق دین کی جڑ ہے حتی کہ نماز بھی اخلاق کی درستی کے لیے ہے۔ (۲۹)

مولانا محمد الیاس کے ہاں اخلاق کی درستی کے لیے خدمت خلق کے ساتھ ساتھ مسلمانوں سے دلی تعلق اور محبت بھی ضروری ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"یہ سب عمل یعنی نماز روزہ وغیرہ درست نہیں کر سکتے جب تک کہ اللہ کی محبت و عظمت نہ ہو جائے اور اللہ کی عظمت و محبت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ذکر و شغل نہ کیا جائے اور ذکر و شغل درست نہیں جب تک وساوس کو دفع نہ کیا جائے اور وساوس کیا ہیں صفات رذیلہ کا پھل ہیں اور یہ دفع نہیں ہو سکتے جب تک کہ قرآن اور اللہ کی عظمت نہ پیدا کی جائے اور یہ پیدا نہیں ہو سکتی جب تک

کہ مسلمانوں سے محبت والفت نہ پیدا کی جائے۔(۳۰)

مسلمانوں سے محبت والفت درحقیقت انسانیت دوستی کا ہی ایک مظہر ہے جس سے انسان کے اندر وہ بنیادی صفات پیدا ہوتی ہیں جس کے ذریعہ وہ ادائیگی حق کا فریضہ انجام دیتا ہے جو اس کے منصب اخلاق کا ناگزیر تقاضا ہے اسی منصب خلافت کی وجہ سے اس کی قیمت ہے باقی اس کے اعتبارات ضمنی اور ثانوی نوعیت کے ہیں۔(۳۱)

انسان کو خلیفۃ اللہ ہونے کی بنا پر اس دنیا میں اپنا کردار لازماً ادا کرنا ہے جب کے اس کے برعکس بعض حلقوں میں دینداری کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دینوی مشاغل سے الگ تھلگ کر لے اور ایک نوع کی راہبانہ زندگی اختیار کر لے ایسے لوگ ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں دنیا و مافیہا کو قابل لعنت قرار دیا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں متوازن سوچ یہ ہے کہ دنیا کو رضائے الٰہی اور قربت خداوندی کے حصول کا ذریعہ تو مانا جائے، مقصد حیات قرار نہ دیا جائے گویا جس طرح دنیا کو ہی اپنی زندگی کا ہدف اساسی قرار دے لینا غلط ہے اسی طرح یہ سوچ بھی خام ہے کہ دنیا کو بالکل ناقابل التفات گردانا جائے اس سلسلے میں مولانا محمد الیاسؒ نے اپنے مکتوبات (۳۲) میں راہ اعتدال کی وضاحت کی ہے کہ ایک جانب تو احادیث میں دنیا کو قابل لعنت قرار دیا گیا ہے جب کہ دوسری طرف تلاش رزق کا حکم دیا گیا ہے تو ایسے میں معیشت دنیا کے اسباب میں مشغولیت کو دنیا قرار دے کر اسے لائق نفرت ٹھہرانا درست نہیں کیونکہ لعنت کی چیز کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں ہوسکتا گویا دنیا کا مفہوم عام نگاہوں میں غلط ہے۔لہذا جس چیز کا حکم ہے اس میں حکم کی وجہ سے مشغولیت اور اس میں حلال وحرام کا دھیان تو دین ہے دنیا نہیں تاہم حکم سے قطع نظر از خود اپنی ضرورت کا احساس کرنا اور اسے اپنے تئیں ضروری قرار دینا کہلائے گا۔

گویا مولانا کے نزدیک اسی دنیاوی مصروفیت کے اندر ہی سچے احساسات اور درست عمل سے دین کو حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے لیے ترک دنیا نہ ضروری ہے اور نہ پسندیدہ، چنانچہ مولانا دین کی مثال اس لعاب دہن سے دیا کرتے تھے جس کی تھوڑی سے مقدار کی شمولیت بغیر نہ کسی چیز میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ چیزیں ہضم ہوتی ہیں۔(۳۳)

گویا دین کو اگر دنیاوی مشاغل تعلقات میں پیش نظر رکھ لیا جائے تو یہی دنیا دین بن جاتی ہے لہذا ترک اسباب یا ان کی کلیۃ نفی کا نظریہ درست نہیں بلکہ اسباب تو اللہ کی نعمت ہیں ان کا استعمال میں آنا ضروری ہے لیکن یہ خیال رہے کہ ان پر اس طرح نظر نہ جم جائے کہ خالق اسباب کی جگہ اسباب لے لیں چنانچہ مولانا راہ اعتدال کی وضاحت دونوں انتہاؤں پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ اسباب اختیار نہ کرنے والا زندیق جب کہ اسباب پر نظر رکھنے والا مشرک ہے۔(۳۴)

الغرض حضرت مولانا محمد الیاس کا تصور دین جامع اور متوازن ہے اس کو روبہ عمل لانے کے لیے ہر مسلمان سرمایہ پرستانہ اور پرتعیش زندگی جو اسلام کے راہ راست سے ہٹی ہوئی اور بگڑی ہوئی زندگی ہے کو ترک کر کے اسلام کی نصرت وخدمت اور اس کے عملی کاموں میں شخصاً شریک ہو یا جو لوگ ان کاموں میں مشغول ہیں ان کے لیے پشت پناہ بنے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کاموں میں خود عملاً شریک ہونے کا عزم اور جذبہ رکھتا ہو اور صرف کسی معذوری یا دینی مصلحت کی وجہ سے ہی وقتی طور پر اس سے علیحدہ ہو۔(۳۵)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ آپ کا تاریخی نام اختر الیاس رکھا گیا آپ تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، سید ابوالحسن علی ندوی حضرت مولانا محمد الیاس اوران کی دین دعوت (کراچی مجلس نشریات اسلام 1985ء ص 46)

۲۔ ایضاً ص 46

۳۔ ایضاً ص 46

۴۔ سید مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی (دیوبند دارلعلوم 1373ھ) ج 2 ص 127

۵۔ عبدالقادر خان، مطالعہ پاکستان (لاہور پنجاب پبلشنگ کارپوریشن) چھٹا ایڈیشن 1984ء ص 58

۶۔ سید ابوالحسن علی ندوی حضرت مولانا محمد الیاس اوران کی دینی دعوت ص 56

۷۔ ایضاً ص 57

۸۔ موسیٰ جار اللہ، الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن حیدر آباد نفیس پرنٹنگ پریس ج، ص 136

۹۔ سید ابوالحسن ندوی حضرت مولانا محمد الیاسی اوران کی دینی دعوت ص 156 ایضاً ص 57

۱۰۔ ایضاً ص 57

۱۱۔ ایضاً ص 58

۱۲۔ ایک مرتبہ لال قلعہ دہلی کے پاس سے گزرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے دریافت کیا کہ کبھی جناب نے لال قلعہ بھی دیکھا ہے؟
فرمایا میں لال قلعہ کی سیر کو بے حمیتی سمجھتا ہوں میں نے بچپن میں اس وقت دیکھا ہے جب دکھانے والے رو رو کر دکھایا کرتے تھے۔ (سید ابوالحسن علی ندوی حضرت مولانا محمد الیاس اوران کی دینی دعوت ص، 203)

۱۳۔ ایضاً ص 58-59

۱۴۔ ایضاً ص 242

۱۵۔ افتخار فریدی ارشادات ومکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ (رائے ونڈ مکتبہ دینیات باراول 1981ء ص 12-22)

۱۶۔ ایضاً ص 38

۱۷۔ ایضاً ص 38

۱۸۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت مولانا محمد الیاس اوران کی دینی دعوت ص، 250

۱۹۔ سید ابوالحسن علی ندوی حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص، 201

۲۰۔ ایضاً ص 199

۲۱۔ آپ مولانا مظفر حسینؒ صاحب کی صاحبزادی تھیں ان کی نماز کا یہ حال تھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس نے ایک مرتبہ فرمایا کہ امی بی کی نماز کا نمونہ میں نے مولانا گنگوہی کو نماز میں دیکھا اور مولانا گنگوہی کی نماز اپنے طبقہ میں ممتاز تھی۔ (ایضاً ص 50)

۲۲۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا تاریخی نام اختر الیاس تھا (ایضاً ص 49)

۲۳۔ ایضاً ص 52

۲۳۔ افتخار زیدی!!! ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ ص 67

۲۵۔ ایضاً ص 77

۲۶۔ ایضاً ص 97

۲۷۔ ایضاً ص 100

۲۸۔ افتخار زیدی!!! ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ ص 84

۲۹۔ ایضاً ص 48

۳۰۔ ایضاً ص 103

۳۱۔ ایضاً ص 30

۳۲۔ سید ابوالحسن علی ندوی! حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص، 105

۳۳۔ ایضاً ص 105

۳۴۔ افتخار زیدی!!! ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ ص، 106

۳۵۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص، 107

اخذ و تلخیص (فکر و شعور، ص ۱۹ تا ۳۳ از پروفیسر سعید الرحمٰن، مولانا محمد الیاس کا تصور دین)

2- تحریک تبلیغ

1921ء میں ہندوستان میں آریوں کی کوشش سے جاہل دیہاتوں میں ارتداد کی آگ پھیلی اور مسلمان جو اپنے دین سے ناواقف اور خدا اور رسول سے بے گانہ تھے اس آگ کی لپیٹ میں آئے۔ اس آگ کو بجھانے کے لیے ہر طرف مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے۔ تبلیغی انجمنیں سرگرم عمل ہوئیں۔ مناظرین اسلام نے اسلام کی فوقیت ثابت کرنے کے لیے بحث وجدال کے میدان گرم کیے۔ ہزاروں روپیہ چندہ می وصول کر کے مبلغین جگہ جگہ پھیلائے گئے۔ اور اسلام کو بچانے کے لیے ہر ممکن جدوجہد کی گئی۔

اسی دور میں مولانا محمد الیاس کاندھلوی نے نہایت خاموشی سے دعوت وتبلیغ کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے ایک ہمہ گیر تحریک چلائی جس نے دس بارہ سال کے قلیل عرصے میں میوات کے علاقے میں ایک نیا انقلاب برپا کر دیا۔ اور گاؤں کا گاؤں نماز پڑھی جانے لگی اور خود دوسروں تک اسی دعوت کو پہنچانے میں لگ گئے۔

میواتی قوم دہلی کے آس پاس الور، بھرت پور، گوڑ کانوہ اور دوسرے متصل علاقوں میں آباد تھی۔ اس کی مجموعی تعداد 36 لاکھ بتائی جاتی ہے۔ صدیوں پہلے نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور ان کے خلفاؤ متبعین کی کوششوں سے اس قوم میں اسلام پہنچا مگر افسوس کے بعد کے زمانوں میں مسلمان حکمرانوں اور جاگیرداروں کی غفلت سے وہاں اسلامی تعلیم اور اسلامی تربیت کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ حکومت کے مرکز سے اس قدر قریب ہونے کے باوجود اسلام سے دور ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ غیر مسلم مئورخین کو بھی میواتیوں کی اسلام سے دوری اور بے گانگی کا احساس تھا۔ میجر پاؤلٹ جو انیسویں صدی کے آخر میں ریاست الور کا آفیسر بندوبست رہا ہے۔ الور کے گزیٹر (شائع شدہ 1878ء) میں لکھتا ہے:

''میوات تمام تر مسلمان ہیں، لیکن برائے نام، ان کے گاؤں کے دیوتا وہی ہیں جو ہندو زمینداروں کے ہیں۔ وہ ہندوؤں کے کئی ایک تہوار مناتے ہیں۔ ہولی میواتیوں میں مذاق اور کھل کھیلنے کا زمانہ ہے اور اتنا ہی اہم اور ضروری تہوار سمجھا جاتا ہے جتنا محرم، عید اور شب برات۔ اسی طرح وہ جنم، اشٹمی، دسہرا اور دیوالی بھی مناتے ہیں، ان کے یہاں ''پیلی چٹھی'' لکھنے کے لیے یا شادی کی تاریخ مقرر کرنے کے لیے برہمن پنڈت بھی ہوتے ہیں۔ ایک رام کے لفظ کو چھوڑ کر وہ ہندووانہ نام بھی رکھتے ہیں اگرچہ خان جتنا ان کے ناموں کے اخیر میں ہوتا ہے اتنا نہیں لیکن پھر بھی بکثرت سنگھ ان کے ناموں کا اخیر جزو ہوتا ہے۔''

''میوات اپنے مذہب (اسلام) سے بہت ناواقف ہیں، خال خال کوئی کلمہ جانتا ہے اور پابندی سے نماز پڑھنے والے اس سے بھی کم ہیں اور ان کے اوقات ومسائل سے تو وہ بالکل ناواقف ہیں۔''

''میوات اپنے عادات میں آدھے ہندو ہیں ان کے گاؤں میں شاذونادر ہی مسجدیں ہوتی ہیں۔ تحصیل تجارہ میں میوؤں کے باون گاؤں میں آٹھ ہیں البتہ مندروں کو چھوڑ کر میوؤں کی عبادت کی ویسی ہی جگہیں ہوتی ہیں جیسی ان کے ہمسایہ ہندوؤں کے یہاں ہوتی ہے، مثلاً پانچ پیرا، بھیسا اور چاہنڈیا کھیڑا، دیومہادیوی کے نام ہوتا ہے جس پر قربانیاں چڑھائی جاتی ہیں۔ شب برات میں سید سالار مسعود غازیؒ کا جھنڈا بھی ہر میو گاؤں میں پوجا جاتا ہے۔''

3- دعوت کا آغاز

ان حالات اور مقامات میں مولانا محمد الیاسؒ نے دین کی تحریک چلائی اور نہایت قلیل مدت میں وہاں کی کایا پلٹ دی۔ پورے علاقے میں دین کی رغبت پھیل گئی اور اس کے آثار نظر آنے لگے۔ جس علاقہ میں کوسوں مسجدیں نظر نہ آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس ملک میں ہزاروں مسجدیں کھڑی ہوگئیں، صدہا مکتب اور متعدد عربی کے مدارس قائم ہوگئے۔ حفاظ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگئی۔ ہندووانہ وضع ولباس سے نفرت پیدا ہونے لگی اور اسلامی وشرعی لباس کی وقعت دلوں میں ہوگئی حتیٰ کہ اکتوبر 1939ء میں ایک عالم دین نے وہاں کا دورہ ومشاہدہ کرنے کے بعد لکھا کہ:

''مولانا محترم (محمد الیاسؒ) نے خود اسی قوم کے مبلغوں سے اس کی اصلاح کا کام لیا اور ان کی پیہم کوششوں کا نتیجہ، جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، یہ ہے کہ بعض علاقوں میں گاؤں ایسے ہیں جہاں ایک بچہ بھی آپ کو بے نمازی نہ ملے گا۔ دیہات کی وہ مسجدیں جہاں یہ لوگ کبھی اپنے مویشی باندھتے تھے، آج وہاں پانچوں وقت اذان اور جماعت ہوتی ہے۔ آپ کسی راہ چلتے دیہاتی کو روک کر اس کا امتحان لیں وہ آپ کو صحیح تلفظ کے ساتھ کلمہ سنائے گا۔ اسلام کی تعلیم کا سیدھا سادا لب لباب جو کہ ایک بدوی کو معلوم ہونا چاہیے آپ کے سامنے بیان کرے گا، وہ آپ کو بتائے گا کہ اسلام کے ارکان کیا ہیں، اب آپ وہاں کسی مسلمان مرد، عورت یا بچے کو ہندووانہ لباس میں نہ پائیں گے، نہ اس کے جسم کو بے ستر دیکھیں گے اور نہ اس کے گھر کو یا اس کے لباس کو نجاستوں میں آلودہ پائیں گے۔ ان کے عادات وخصائل اور ان کے اخلاق میں بھی اس مذہبی تعلیم وتبلیغ کی وجہ سے نمایاں فرق ہوگیا ہے۔ اب وہ متمدن اور مہذب طرز زندگی کی طرف پلٹ رہے ہیں۔ جرائم میں حیرت انگیز کمی ہوگئی ہے۔ لڑائیاں فسادات اور مقدمات بہت کم ہوگئے بس۔ ان کا علاقہ اب پرامن علاقہ ہے جس کا اعتراف خود وہاں کے حکام کر رہے ہیں۔ ان کی معاشرت، ان کے لین دین، ان کے برتاؤ

غرض ہر چیز میں عظیم تغیر ہو گیا ہے جس کی وجہ سے گرد و پیش کی آباد پر ان کا اچھا اخلاقی اثر مرتب ہو رہا ہے اب وہ ذلت اور بے اعتباری کے نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے، بلکہ ان کی عزت قائم ہوتی جارہی ہے اور ان کے کیریکٹر پر اعتماد کیا جانے لگا ہے۔ (مودودی ترجمان القران ج ۱۰ اکتوبر ۳۹)

یہ انقلاب حال اور یکلخت تبدیلی محض ایک آدمی کی محنت و کاوش کا ثمرہ ہیں۔ یہاں نہ کوئی کمیٹی تھی، نہ چندہ تھا، نہ کوئی اخبار اور ترجمان تھا، نہ قواعد پریڈ، یونیفارم اور باجوں اور جھنڈوں کے نمائشی مظاہرے تھے۔ بس مولانا نے خاموشی سے دعوت دین کا کام شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اصلاح و تعمیر کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا مکاتب و مدارس کے ذریعہ دینی تعلیم کی اشاعت کے ذریعہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس معمولی اور انفرادی اصلاح سے حالات نہیں بدل سکتے اس کے لیے ضروری ہے کہ عوام کی جماعتیں اہل علم افراد اور مرکزوں تک جائیں اور کچھ وقت فارغ کر کے دین سیکھنے سکھانے میں صرف کریں چنانچہ آپ کی کوششوں سے سب سے پہلے دس آدمیوں کی ایک جماعت کاندھلہ کے سفر کے لیے تیار ہوئی اور رفتہ رفتہ فوائد و نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف جماعتیں دین سیکھنے اور تبلیغ کرنے کے لیے نکلنے لگیں۔ علماء کے سلسلے میں آپ کا خیال تھا کہ جب تک سلف اول کے طرز پر اشاعت دین کے لیے یہ لوگ نہ نکلیں گے، کام نہیں بنے گا۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا مرحوم کو ایک خط میں لکھا۔

''عرصہ سے میرا اپنا خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعت دین کے لیے خود جا کر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لیے گشت نہ کریں اس وقت تک یہ کام درجہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ عوام پر جو اثر اہل علم کے عمل و حرکت سے ہوگا، وہ ان کی دھواں دھار تقریروں سے نہیں ہو سکتا۔ اپنے اسلام کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ حضرت اہل علم پر بخوبی روشن ہے۔'' (سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد الیاس اور ان کی دعوت ص ۱۱۴)

4- طریق کار اور نظام کار

مولانا الیاسؒ نے دین کی دعوت اور تبلیغ کے لیے محنت اور جد و جہد، گشت اور سفر کا طریقہ اختیار کیا۔ لوگ عام طور سے دینوی مشاغل میں پھنس کر دین سیکھنے اور حاصل کرنے کے لیے وقت نہ نکال پاتے اس لیے آپ نے یہ پالیسی بنائی کہ انہیں عارضی ترک وطن اور ''غربت'' اختیار کرنے پر آمادہ کیا جائے تا کہ کچھ مدت کے لیے یکسو ہو کر دین کی بنیادی باتیں (کلمہ اور نماز) سیکھ سکیں اور اہل علم و

دین کی صحبت سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ آپ نے ایک گرامی نامہ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم نے جماعتیں بنا کر دین کی باتوں کے لیے نکلنا چھوڑ دیا۔ حالانکہ یہی بنیادی اصل تھی۔ حضور ﷺ خود پھرا کرتے تھے اور جس نے ہاتھ میں ہاتھ دیا وہ بھی مجنونانہ پھرا کرتا تھا غرض پھرنا اور دین کے لیے جد وجہد اور نقل وحرکت میں رہنا اصل تھا جب یہ چھوٹ گیا جب ہی خلافت ختم ہوگئی۔''

نکلتے وقت حضور کی لائی ہوئی چیزوں میں سے جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے اسی کی حیثیت سے کوشش کرنا چاہیے۔

۱۔ **کلمہ کی تصحیح وتلقین:** اس وقت بدقسمتی سے ہم کلمہ تک سے ناآشنا ہو رہے ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے اسی کلمہ کی تبلیغ ہے جو کہ خدا کی خدائی کا اقرار نامہ ہے یعنی اللہ کے حکم پر جان دینے کے علاوہ درحقیقت ہمارا کوئی مشغلہ نہ ہوگا۔

۲۔ **نماز کی تصحیح وترقی:** کلمہ کے لفظوں کی تصحیح کرنے کے بعد نماز کے اندر کی چیزوں کی تصحیح کرنے اور نمازوں کو حضور ﷺ جیسی نماز بنانے کی کوشش میں لگے رہنا۔

۳۔ **تحصیل علم وذکر:** تین وقتوں کو (صبح، شام اور کچھ حصہ شب کا) اپنی حیثیت کے مطابق تحصیل علم وذکر میں مشغول رکھنا۔

۴۔ **تفریغ وقت:** ان چیزوں کو پھیلانے کے لیے اصل فریضہ محمدی سمجھ کر نکلنا یعنی ملک بہ ملک رواج دیا۔

۵۔ **خلق:** اس پھرنے میں خلق کی مشقت کرنے کی نیت رکھنا۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کی سرگرمی خواہ خالق سے متعلق ہو یا خلق کے ساتھ۔ کیونکہ ہر شخص سے اپنے ہی متعلق سوال ہوگا۔

۶۔ **تصحیح نیت:** ہر عمل کے بارے میں اللہ نے جو وعدے وعید فرمائے ہیں ان کے موافق اس امر کی تعمیل اللہ کی رضا اور موت کے بعد والی زندگی کی درستی کرنے کی کوشش کرنا۔ (ایک اہم دینی تحریک از سید ابوالحسن ندوی ص ۱۴۔۱۵)

5- اُمّتِ مسلمہ کا بنیادی کام

مولانا اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اصل اہمیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہے اگر اس پر توجہ نہ دی جائے اور دین کی تبلیغ واشاعت کو مرکزی اہمیت حاصل نہ ہو تو دین مضمحل ہو جائے گا۔ عبادتیں نا قابل قبول قرار پائیں گی اور دین کی شاخیں اور پتیاں مرجھا جائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''میرے حضرت! یہ وظیفہ وظائف اور یہ اللہ کی بارگاہ میں دعائیں اور دین کی لائن کی ہر چیز درحقیقت ایمان کی پگڈنڈیاں اور اس کے پھول پتے ہیں جو درخت اپنی جڑ سے سوکھ چکا ہو، اس کے پھول پتوں میں شادابی کہاں سے ہوسکتی ہے، اس واسطے اس بندہ ناچیز کے نزدیک اس زمانہ میں نہ دعا کارگر ہے نہ وظیفہ بارآور ہے اور نہ کسی کی طرف توجہ اور ہمت کارآمد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت دین کے فروغ کی کوشش ترک ہو چکی ہوگی۔ جس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہتے ہیں اس وقت دعاؤں میں راتیں رو رو کر گزارنے والوں کی دعا قبول نہیں ہوں گی۔ ابواب رحمت بند ہو چکے ہوں گے۔ ابواب رحمت کھلنے کے کوئی صورت نہ ہوگی۔ مسلم کا فروغ، اسلام کے فروغ کی کوشش میں لگنے کے اندر کے علاوہ ہرگز متصور نہیں، حق عزوجل نے مومن کے ساتھ رحمت کے ساتھ توجہ کرنے اور کرم والطاف کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ارادہ صرف اسی وقت فرما رکھا ہے کہ جب وہ اسلام کے فروغ میں ہو، اسلام کے فروغ میں اپنی سعی مصروف کر رہا ہو۔'' (مولانا الیاس اور ان کی دعوت ص ۲۹۱، ۲۹۲)

مولانا کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قوم کے اندر پہلے دین کے لیے طلب اور رغبت پیدا کی جائے۔ کلمہ لا الا اللہ کا معنی ومفہوم ان کے ذہنوں میں راسخ کیا جائے، دین کی بنیادی باتوں سے واقفیت بہم پہنچائی جائے پھر انہیں غلبہ دین کے لیے اٹھا کھڑا کیا جائے۔ بغیر عقائد ومبادی کی درستی کے دین قائم وغالب نہیں ہوسکتا، چنانچہ ایک گرامی نامہ میں فرماتے ہیں:

''جس قوم کی پستی کلمہ لا الہ الا اللہ کے لفظوں سے بھی گر چکی ہو وہ ابتداء سے درستی کئے بغیر انتہائی دوستی کے کب قابل ہوسکتی ہے۔ انتہا ابتدا کے درست ہوئے بغیر نہیں ہوسکتی اس لیے میں نے درمیانی اور انتہائی خیالات بالکل نکال دیے، ابتداء درست ہو کر راستہ پر پڑ جائیں گی تو انتہا پر خود ہی پہنچ جائیں گے اور ابتدا کے بگڑے ہوئے انتہا کی درستی کا خیال ہوس اور بوالہوسی کے سوا کچھ نہیں۔'' (حوالہ مذکور)

مولانا کے اندر دین کے غلبہ وتمکن کی تڑپ اور اسلام کی بدحالی وکسمپرسی پر درد اور کسک بلا کی تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ ایک بار کسی نے لال قلعہ کے پاس سے گزرتے ہوئے پوچھا کہ کبھی جناب نے لال قلعہ بھی دیکھا ہے تو فرمایا کہ میں لال قلعہ کی سیر کو

بے حمیتی سمجھتا ہوں، ہاں میں نے بچپن میں اس وقت دیکھا ہے جب دکھانے والے رو رو کر دکھاتے تھے۔ (حوالہ مذکور ۲۳۲)

مولانا پر بہت گراں تھا کہ عربی زبان اور دینی علوم میں بھی مسلمان غیروں کے دست نگر اور ان کے ماتحت ہوں۔ مولانا نے حافظ عبداللطیف صاحب کو ایک خط میں لکھا کہ:

''حافظ صاحب مجھے بڑی غیرت آتی ہے کہ مسلمانوں کی عربیت کی جانچ کرنے والے کفار ہوں۔''

انہی کے نام ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''زیادہ زور اس امر پر دیا جائے کہ قوم اپنی پنچائتیں اور اپنے سب کاروبار اور سب فیصلے شریعت کے موافق کرنے کو ہی اسلام سمجھے ورنہ اسلام نہایت ناقص ہے بلکہ بسا اوقات احکام شرعیہ کے بے وقعتی اور بے رخی اور توہین کی بدولت اسلام جاتا رہتا ہے اور یقیناً کفر ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے سامنے اسلام کے مکمل نظام کا تصور موجود تھا اور غیر اسلامی و رطاغوتی عدالتوں میں فیصلہ کرانے کو سخت ناپسند کرتے تھے اور اپنے سارے معاملات اسلام کی روشنی میں طے کرنا محبوب رکھتے تھے۔ البتہ اسلام کی اقامت کو نماز کی اقامت سے شروع کیا کہ نماز کے بغیر اسلام کی اقامت بے معنی تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مولانا کے پیش نظر صرف تحریک اقامت صلوٰۃ برپا کرنا تھی بلکہ آپ پورے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے جس کی ابتداء کلمہ کی تلقین اور نماز کی اقامت سے ہوتی تھی چنانچہ ایک بار اپنے عزیز مولوی ظہیر الحسن صاحب سے فرمایا:

''ظہیر الحسن میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے، میں قسم سے کہتا ہوں کہ یہ ہرگز تحریک صلوٰۃ نہیں۔''

ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا کہ:

''میاں ظہیر الحسن ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے۔'' (۷)

مولانا کی یہی دینی حمیت، اسلام کے کامل نظام کے تصور کی حکمرانی اور شریعت اسلامیہ کو غالب دیکھنے کی تڑپ تھی کہ حکومت کی جبری تعلیم کی آپ نے سخت مخالفت کی تھی اور علماء کو اس کی طرف متوجہ کیا تھا شدھی سنگٹھن کے زمانے میں تحریک ارتداد کا مقابلہ کیا اور اپنی بے پایاں کوششوں سے مسلمانوں میں اس کا رخ موڑ دیا۔

(اخذ و تلخیص، تاریخ دعوت و جہاد، از عبید اللہ قہد فلاحی)